© rasailojaraid.com

علمی تعاون کی درخواست

ڈاکٹر ابو سلمان
شاہجہان پوری

مولانا آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پاکستان کے زیر اہتمام مولانا ابوالکلام آزاد کے تقریباً ساڑھے پانچ سو خطوط کا مجموعہ ترتیب و تدوین کے آخری مراحل میں ہے۔ یہ خطوط دو سو سے زیادہ معروف اور غیر معروف لوگوں کے نام ہیں۔ اس مجموعہ مکاتیب میں غبار خاطر، نقش آزاد اور تبرکات آزاد کے خطوط شامل نہیں اس مجموعے میں مولانا کا ایک خط قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے نام ہے۔

اس خط میں مولانا آزاد نے اسلامی نظام حکومت کے قیام کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے۔

"مجھے اس بات سے نہایت خوشی ہوئی کہ نواب یوسف علی خان صاحب کے پیش نظر یہ مقصد ہے۔ بلاشبہ بہ حالت موجودہ ممکن نہیں کہ کامل اسلامی نظام قائم کیا جاسکے۔ تاہم بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر علم و بصیرت کے ساتھ قدم اٹھایا جائے تو عجب نہیں کہ اس بارے میں ایک وسیع نمونہ قائم ہو جائے"

ان چند جملوں میں مولانا آزاد نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ بذات خود بڑے علم و بصیرت کی بات ہے۔ ان جملوں میں جس آرزو کا اظہار کیا ہے۔ اس کا تعلق ان کے مقاصد حیات سے ہے اور ان کے متعدد مضامین خطبات جمعات و عیدین اور مختلف ادوار حیات کے خطوط نہ صرف ۱۹۱۳، ۱۹۱۴ سے ۱۹۲۰ بلکہ ۳۳، ۳۶ اور ۵۶ تک کے خطوط سے ثابت ہے۔

۱۔ سب سے پہلے ان کے سامنے پورے برعظیم ہند پاکستان کے لئے مسلمانوں کے ایک آزاد اسلامی شرعی نظام کے قیام کا مسئلہ آیا۔ اس کے قیام میں موانع پیش آئے تو

۲۔ صوبائی سطح پر نظام شرعی کے قیام کی کوشش کی گئی۔ صوبہ بہار میں نظام قائم بھی ہو گیا جو اب تک قائم ہے اور کسی نہ کسی درجے میں اس کی افادیت بھی ثابت ہو چکی ہے۔ پنجاب میں امیر شریعت کا انتخاب عمل میں آ گیا لیکن کوئی نظام قائم نہیں ہو سکا۔

۳۔ اس کے بعد بھی مولانا مسلمانوں میں ایک اجتماعی شرعی نظام کے قیام کے آرزومند رہے۔ یہ نظام خواہ چھوٹے سے چھوٹے دائرے میں اور کلی طور پر نہ سہی جزوی طور پر مشترکات کے اجتماعی نظام، اسلامی عدالتی نظام کسی قریہ و قصبہ ہی میں قائم کر لیں اور مسلمان اپنی ملکات ایک جگہ جمع کریں اور شریعت اسلامیہ کے بتائے ہوئے مصارف میں آپس کے صلاح و مشورہ سے خرچ کریں اور آپس کے تمام تنازعات کو اپنے عدالتی نظام کے تحت طے کر لیا کریں اور جب تک کوئی ایک فریق یا حالات مجبور نہ کردیں وہ برٹش استعمار کے نظام عدلیہ سے رجوع نہ کریں۔

مولانا کے نزدیک اتنا نظام قائم کر لینا بھی بہت سے مفاسد میں مانع اور بہت سے فوائد کے حصول میں ممد تھا۔ چناں چہ مولانا آزاد کے متعدد خطبات، مضامین، خطوط سے ثابت ہے کہ انہیں جب بھی روشنی کی کوئی کرن نظر آئی۔ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی طرف بے تابانہ دوڑے ہیں اور مسلمانوں کو اس طرف پلٹ پلٹ کر پکارا ہے۔ لیکن حالات کی سنگین اتنی شدید، تاریکی اتنی زیادہ راہ کی مشکلات ایسی صبر آزما اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے اختلافات اتنے افسوس ناک اور نظام اسلامی اور نظم جماعت کے قیام کی اہمیت سے ذہن اس درجہ ناآشنا اور صدیوں کی روایتی و رسمی زندگی پر ایسے قانع اور ذہنی جمود میں ایسے مبتلا اور قلب کی قساوت اتنی شدید تھی کہ "فہی کالحجارہ" کی مثال اس پر صادق آتی تھی۔ چنانچہ مولانا آزاد کی آرزو کی کرن اور سعی و عمل کی کوئی حرکت حالات کی تاریکی میں روشنی اور زندگی کے جمود میں کوئی تغیر پیدا نہ کرسکی۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ مخالفت، ریشہ دوانیاں اور سازشیں علماء و مشائخ کے حلقے سے کی گئیں۔ بلکہ اب جو حقائق سامنے آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد نظم جماعت کے قیام کی تحریک کو سب سے زیادہ نقصان اس علمی شخصیت نے پہنچایا جو مولانا کو ہمیشہ اپنی عقیدت و نیاز کا یقین دلاتی رہی تھی اور جس نے مولانا آزاد کی شخصیت کی عظمت، ان کے فکر کی بلندی، انکی ذہنی و دماغی صلاحیتوں دعوت رجوع الی القرآن اور اسکے انقلاب کا سب سے زیادہ شاندار الفاظ میں اعتراف اور انکے ترجمان القرآن کی سب سے زیادہ الفاظ میں توصیف و تحسین فرمائی تھی۔ اور مولانا آزاد بھی ان کی ملاقات و صحبت کے سب سے زیادہ آرزومند رہے تھے۔ اور انہیں ہمیشہ اخی العزیز۔ اخی الامتر۔ وغیرہ القاب سے مخاطب فرماتے تھے۔

بلاشبہ مولانا آزاد ملک کی سیاسی، اقتصادی معاشی زندگی اور مسلمانوں کی سماجی زندگی کے فروغ ترقی استحکام کے لئے فرقہ وارانہ سیاست کے مخالف تھے اور ہندوستان میں مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کے اطمینان و سکون اور اپنے اسلامی فرائض کی بہترین ادائیگی مثلاً مسلمانوں کی تعلیم و تربیت۔ تبلیغ و اشاعت اسلام، مسلمانوں کے اسلامی تہذیبی خصائص کے نشوونما، علوم و فنون اسلامی کی تعلیم و اشاعت اور مسلمانوں کے اوقاف اسلامی آثار، دینی مدارس، خانقاہوں، مسجدوں کے تحفظ اور انتظام و انصرام اندرونی متنازعات کے تصفیے کیلئے مسلمانوں کی اجتماعی تنظیم کے خواہاں تھے۔ اس کے لئے پر امن ماحول کی ضرورت تھی اور پرامن ماحول فرقہ وارانہ اتحاد کی بنیاد پر قائم ہو سکتا تھا۔ اس لئے وہ ہندو مسلم اتحاد کے دل سے خواہاں تھے۔ اور اس کے زندگی بھر خواہاں رہے۔ وہ فرقہ واریت اور ہندو مسلم اختلاف اور ملکی زندگی میں انتشار کو خود مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے لئے نہایت مضرت رساں سمجھتے تھے۔ یہ ان کی سیاست کا ایک پہلو تھا جس کی صحت ان کے فہم و مطالعہ اور فکروتدبر نے ان پر ثابت کردی تھی اور یہ ان کے کیریکٹر کی خوبی تھی کہ جب ان پر وقت و فکر کی ایک سچائی ثابت ہو گئی تو پھر ان کے رویے میں یمین و یسار کا تذبذب کبھی پیدا نہیں ہوا۔ غالب مرحوم نے ایک ایسی ہی سیرت کے لئے کہا تھا۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

مولانا آزاد کی صرف یہی خوبی نہ تھی کہ وہ اپنی فکر میں مخلص اس کے وفادار اور استوار تھے۔ بلکہ وہ اپنی رائے میں صائب بھی تھے۔

مولانا آزاد کا یہ خط جو یہاں پیش کیا جا رہا ہے اور جس کے بارے میں چند معلومات کی فراہمی کا خواہاں ہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت فکر انگیز ہے۔ اور مولانا کا یہ فرمانا کہ "بلاشبہ بہ حالت موجودہ یہ ممکن نہیں کہ کامل اسلامی نظام قائم کیا جاسکے"۔ بہت گہرے علم و بصیرت پر مبنی ہے۔ یہ بات مولانا نے ۱۹۳۳ میں فرمائی تھی اس پر ساٹھ سال کی مدت گزر چکی ہے اور قیام پاکستان کے چھیالیس سال کے بعد بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اور یہ توقع کہ "تاہم بہت کچھ کیا جاسکتا ہے اور اگر علم و بصیرت کے ساتھ قدم اٹھایا جائے تو عجب نہیں کہ اس بارے میں ایک وقیع نمونہ قائم ہو جائے۔ اس سے زیادہ کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اگر آج فوری طور پر کوئی انقلاب نہیں آجاتا تو یہ بھی کچھ کم کامیابی نہیں کہ آئندہ کے لئے ایک وقیع نمونہ قائم ہو جائے"۔

مولانا آزاد کے یہ افکار اور یہ آرزوئیں ان باطنیین کے لئے نہایت تعجب انگیز اور سبق آموز ہوں گے جو بار بار یہ اعلان کرتے ہیں کہ ۱۹۲۰ کے بعد مولانا آزاد اسلام سے مایوس ہو گئے تھے اسلام کے تصور حیات کو ترک کر دیا تھا۔ (۲) یا انہوں نے اسلام کو نصب العین کے بجائے ذریعے کے طور پر استعمال کیا تھا۔ (۳) انہوں نے اپنی راہ مسلمانوں سے الگ کرلی تھی اور انکی جگہ اسلام کے دائرے کے اندر نہیں تھی۔ ان کی زندگی کا کارنامہ صرف یہ تھا کہ انہوں نے نماز کے لئے مسلمانوں کو صرف جمع کیا تھا نماز پڑھی یا پڑھائی نہیں تھی۔ (۴)

میں اہل علم اور اصحاب نظر کا نہایت شکر گزار ہوں گا کہ وہ مجھے نواب یوسف علی خان کی شخصیت انکی سیرت اور انکے عزائم کے بارے میں اپنی معلومات سے استفادے کا موقع دیں اور یہ بتائیں کہ ان کی ریاست / جاگیر وغیرہ کہاں تھی؟ امید ہے کہ ان سوالات کے جوابات سے قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور نواب صاحب کے تعلقات سے پردہ ہٹ جائے گا۔ مولانا آزاد مرحوم کا خط یہ ہے:

۳۔ اسٹور روڈ۔ کلکتہ

۲۰۔ ۱۱۔ ۱۹۳۳ء

حبی فی اللہ!

خط پہنچا۔ افسوس ہے کہ میں کوئی ایسی کتاب نہیں بتا سکتا، جو بہ حالت موجودہ آپ کے مقصد کے لئے کار آمد ہو۔ البتہ اگر اس علاقے کے ضروری حالات میرے علم میں آجائیں تو میں آپ کو بتلا سکتا ہوں کہ اسلامی نظام حکومت کے اصول پیش نظر رکھتے ہوئے کیا کیا اقدام وہاں کئے جاسکتے ہیں۔ اور مناسب حال کیا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

مجھے اس بات سے نہایت خوشی ہوئی کہ نواب یوسف علی خان صاحب کے پیش نظر یہ مقصد ہے بلاشبہ بہ حالت موجودہ یہ ممکن نہیں کہ کامل اسلامی نظام قائم کیا جاسکے۔ تاہم بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر علم و بصیرت کے ساتھ قدم اٹھایا جائے تو عجب نہیں کہ اس بارے میں ایک وقیع نمونہ قائم ہو جائے۔

لیکن خط و کتابت کی جگہ بہتر تھا کہ کوئی صاحب مجھ سے مل لیتے جنہیں وہاں کے تمام حالات کا علم ہوتا۔ میں انشاء اللہ عنقریب دہلی کا قصد کروں گا۔ پہلی دسمبر سے ۱۵ تک وہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔ اور دہلی بہ مقابلہ کلکتہ کے قریب ہے۔ یا تو آپ آجائیں یا کوئی ورصاحب جو ضروری سوالات کا جواب دے سکیں۔

بہت ہی بہتر ہوتا اگر یوسف علی خان صاحب خود مل سکتے۔ اگر کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو پھر آپ علاقے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفصیلی حالت تحریر کریں۔

آبادی کتنی ہے؟

رئیس کو کس درجے کے اختیارات حاصل ہیں؟

آبادی تمام تر مسلم ہے یا غیر مسلم ہیں؟

موجودہ حالت عدالتی اور انتظامی حیثیت سے کس نوعیت کی ہے؟ وغیرہ

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ: ابوالکلام:

حواشی

(۱) سابق شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنو مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی کی تحقیق کے مطابق مولانا مودودی باطنی تھے اور جماعت اسلامی ایک باطنی تحریک ہے۔ لاہور، کراچی وغیرہ کے کئی ادارے اس تحریک کے برگ و بار ہیں۔ اور ایک خاص طریق کار کے مطابق الگ الگ ایک دوسرے سے بہ ظاہر بے نیاز اور کہیں کہیں کچھ اختلاف کے ساتھ یکساں مقاصد کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ ان کا الگ کوئی مکتب فکر نہیں۔

(۲) یہ خیالات تواتر کے ساتھ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے پیش کئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مولانا آزاد کو بدنام کرنا اپنا مشن بنا لیا ہے اور دعوتِ رجوعِ الی القرآن سے زیادہ اگر انہیں کسی بات سے دل چسپی ہے تو اس سے کہ مولانا آزاد کو اسلام سے بددل، مایوس اور پسپائی اختیار کر لینے کا عنوان دے کر اسلام سے منحرف ثابت کر دیا جائے۔ حالاں کہ یہ چیز ان کے پیشِ نظر مقاصد کے بشرطیکہ وہ اس میں مخلص ہوں ہرگز مفید نہیں۔

(۳) یہ بات مولانا نصر اللہ خان عزیز نے اپنی خود نوشت "زندگی کی گزرگاہوں میں" (مطبوعہ ہفت روزہ ایشیا۔ لاہور میں) لکھی ہے اور دو قسطوں میں بہ تفصیل بحث کی ہے کہ مولانا مودودی کے پیشِ نظر اسلام بہ طور نصب العین کے اور مولانا آزاد کے سامنے ذریعے اور طریقِ کار کے طور پر تھا۔ یہ بات لکھتے ہوئے مولانا نصر اللہ خان عزیز نے اس سنگینی کو محسوس نہیں فرمایا جو اس میں مضمر ہے۔ ایک بہترین نظام زندگی کے طور پر تو ایک غیر مسلم بھی اسلام کے نظامِ زندگی کو اختیار کر سکتا ہے۔ اس کے فوائد سے مستفید بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ گاندھی جی نے ایک موقع پر ہندوستان کے آئندہ نظامِ حکومت کے سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ حکومت (خلافت) کو پیش کیا تھا اور محض اس اظہار سے وہ مسلمان نہیں ہو گئے تھے۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان کے سامنے اسلام بہ طور نصب العین کے نہ رہے اور وہ پیشِ نظر سیاسی، معاشی مقاصد اور قوم کی فلاح و بہبود کے لئے اسلام کو محض ذریعہ اور طریق کار کے طور پر اختیار کرتا ہے تو پھر وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔ دراصل یہ وہی چیز ہے جسے مولانا مودودی نے اذان دے کر مسلمانوں کو جمع کرنے اور نماز پڑھانے کے بجائے مسجد سے نکل جانے سے تعبیر کیا ہے اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اسلام سے مولانا آزاد کی بددلی، مایوسی اور پسپائی اختیار کر لینا قرار دیا ہے۔ ان سب کے نزدیک ان تعبیرات کا مفہوم یہ ہے کہ مولانا آزاد دائرہ اسلام سے نکل گئے تھے۔

(۴) یہ خیالات مولانا مودودی صاحب کے ہیں۔ ان کا اظہار انہوں نے رسالہ ترجمان القرآن (لاہور) میں کیا اور انہیں افکار کے لولوئے لالہ انہوں نے اچھرہ میں شام کی مجالس میں بکھیرے تھے، جن سے ان کے معتقدین نے اپنی جیب و داماں بھرے اور اسی سرچشمے سے ڈاکٹر اسرار احمد فیض یاب ہوئے ہیں۔

© rasailojaraid.com